نہیں رہے ۔ اُن میں سے اکثر کے بارے میں بلاخوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ جتنا عرصہ وہ اکیڈمی میں رہے انہوں نے کچھ نہ کچھ علم حاصل کیا' ان کی فکر موروثی عقیدوں کے ریگزار سے نکل کر علمی بنیادوں پر مستحکم ہوئی اور ان کے خدمتِ قرآنی کے جذبہ کی آبیاری ہوئی اور اب وہ اپنے معاشرہ میں الحاد و بے دینی کے سیلاب کے خلاف پہلی دفاعی لائن کی حیثیت سے ہماری جدّوجہد میں شریک ہیں' گو بالواسطہ ہی سہی۔

مذکورہ بالا تجزیہ کی روشنی میں "دو سالہ تدریسی کورس" کا چار سالہ دور اگر قابلِ فخر نہیں تو مایوس کن بھی نہیں ہے ۔ ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں کہ اسی نے ہمیں یہ ہمت اور توفیق عطا فرمائی کہ موجودہ حالات اور معاشرہ میں ہم سے جو بھی بن پڑا ہم کر گذرے اور یہ بھی اسی کا کرم ہے کہ اُس نے ہمیں اس کام کو جاری رکھنے کا عزمِ نو بخشا ہے۔

ایک سالہ کورس کا آغاز

© rasailojaraid.c

دو سالہ کورس میں داخلوں کے دوران کچھ ایسے اصحاب سے بھی رابطہ ہوا جو دینی تعلیم حاصل کرنے کا جذبہ اور شوق تو رکھتے تھے لیکن ان کے لئے دو سال کے لئے چھٹی لینا یا کاروباری مصروفیات سے فراغت حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔ ان لوگوں کا اصرار ہوتا تھا کہ اس کورس کی میعاد مزید کم کر کے اسے ایک سال میں مکمل کرانے کی منصوبہ بندی کی جائے۔

اس خواہش کو سامنے رکھ کر جب دو سالہ کورس کے نصاب کا جائزہ لیا گیا تو یہ بات سامنے آئی کہ اس کورس کے پہلے سال دیگر مضامین کے ساتھ اصل تعلیم عربی زبان و قواعد کی ہوتی ہے' جبکہ دوسرے سال بنیادی اہمیت ترجمہء قرآن کو حاصل ہے چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ ایک ہی سال کے اندر طلباء کو محکم بنیادوں پر عربی قواعد کی تعلیم بھی دی جائے اور ساتھ ہی قرآن حکیم کے منتخب مقامات کی تدریس کے ذریعے فلسفہ و حکمتِ قرآنی سے بھی انہیں روشناس کرادیا جائے۔ گویا وہ بنیاد فراہم کر دی جائے کہ طلباء اپنے طور پر عربی زبان کی مزید تحصیل بھی کر سکیں اور ترجمہء قرآن کے معاملے میں انہیں دشواری پیش نہ آئے۔

یہ فیصلہ کرنے میں اس بات سے بھی مدد ملی کہ استادِ محترم پروفیسر حافظ احمد یار صاحب کے ترجمہء قرآن کے مکمل دروس ٹیپ کر لئے گئے ہیں جو انجمن کے مکتبہ سے دستیاب ہیں۔ اس کے علاوہ "لغات و اعرابِ قرآن" پر ان کی تالیف ماہنامہ "حکمت قرآن" میں قسط وار شائع ہونا شروع ہو گئی ہے۔ ایک سالہ کورس مکمل کرنے والے طلباء مطالعہء قرآن میں ان دونوں سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اس فیصلہ کے پیش نظر ۱۹۸۸ء میں ایک سالہ کورس کے پہلے گروپ کو داخلہ دیا گیا جو انشاء اللہ اس سال ستمبر میں سالانہ امتحان دے کر فارغ ہوگا۔

اس گروپ میں کُل ۲۲ طلباء نے داخلہ لیا' جن میں سے ۶ انجنیئر ہیں۔ ان میں سے ایک طالب علم نے

© rasailojaraid.c

مریکہ سے سول انجنیرنگ میں M.S کیا ہوا ہے ۔ شرکاء میں سے ۳ ڈاکٹر ہیں اور ایک طالب علم نے انگریزی ادب میں M.A کیا ہے ۔ ۲۲ میں سے ۱۴ طلباء مختلف مرحلوں پر مختلف مجبوریوں کی بناپر کورس میں اپنی شرکت کو برقرار نہ رکھ سکے ۔ لیکن ہمیں اندازہ ہے کہ وہ بھی کچھ نہ کچھ سیکھ کر گئے ہیں بالخصوص وہ طلباء جو ششماہی امتحان کامیابی سے پاس کر کے گئے ہیں ۔

باقی ۸ طلباء انشاء اللہ سالانہ امتحان میں شریک ہوں گے ۔ یہ وہ طلباء ہیں جنہوں نے پورے سال خود کو تحصیلِ علم کے لئے وقف کئے رکھا اور یہی ہماری محنت کا حقیقی ثمرہ ہیں جس کے لئے ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں اور دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کی محنت کو شرف قبولیت عطافرمائے اور انہیں اقامتِ دین کی جدوجہد کا سپاہی بنائے ۔ (آمین)

واضح رہے کہ اس سے قبل دوسالہ تدریسی نصاب میں شریک طلبہ کو معین شرح سے وظیفہ بھی دیا جاتا تھا ۔ ایم ۔ اے یا اس کے مساوی ڈگری رکھنے والے طالب علم کو ماہانہ ایک ہزار روپیہ اور گریجویشن تک تعلیم مکمل کرنے والے طلبہ کو ۸۰۰ روپے تک وظائف دیئے جاتے تھے ۔ جبکہ ایک سالہ تعلیمی کورس کے شرکاء کو وظائف کی پیشکش نہیں کی جاتی ۔

ایک سالہ کورس میں نئے داخلے

ایک سالہ کورس کے دوسرے گروپ کے لئے داخلہ کی درخواستیں انشاء اللہ ستمبر میں طلب کی جائیں گی ۔ جو اصحاب اس کورس میں داخلہ کے متعلق سوچ رہے ہیں ان کی خصوصی توجہ کے لئے ہم چند گزارشات پیش کرنا چاہتے ہیں ۔

کورس کو درمیان میں چھوڑ کر جانے والے طلباء کے اپنے انفرادی حالات اور مسائل بھی یقیناً ہوتے ہیں لیکن ایسے تمام طلباء کے درمیان ایک مسئلہ مشترک ہوتا ہے اور وہ یہ کہ صبح کے وقت تقریباً ساڑھے پانچ یا چھ گھنٹے کی پڑھائی کے بعد یہ ایک ناگزیر ضرورت ہے کہ شام کو روزانہ دو تین گھنٹے اسباق کے اعادہ کے لئے وقف کئے جائیں ۔ جو طلباء اپنی دفتری یا کاروباری مصروفیات کی بناپر باقاعدگی سے ایسا نہیں کر پاتے ان کے لئے کلاس کے ساتھ چلنا ممکن نہیں رہتا ۔ ایسی صورت میں انفرادی مسائل ایک اضافی سبب بن جاتے ہیں ۔

اس لئے داخلہ کا ارادہ رکھنے والے اصحاب سے ہماری گزارش ہے کہ وہ اپنے معمولات کا اس نقطہ ء نظر سے جائزہ لیں کہ انہیں صرف صبح کے اوقات ہی تعلیم کے لئے فارغ نہیں کرنے ہیں بلکہ شام کے وقت بھی کم از کم ڈیڑھ دو گھنٹے اس مقصد کے لئے فارغ کرنے ہیں ۔ دوسالہ اور ایک سالہ کورسز کا تجربہ شاہد ہے کہ جن طلباء نے اس کا اہتمام کر لیا انہوں نے اپنی تعلیم کی تکمیل کر لی اور اس سلسلہ میں حائل ذاتی مسائل پر بھی قابو پانے میں کامیاب رہے ۔

© rasailojaraid.

لمحۂ فکریہ

ہمیں ٹھنڈے دل و دماغ سے یہ بھی سوچنا چاہئے کہ دنیوی علوم کے حصول اور اس دنیا کی کامیابی کے لئے ہم اپنی زندگی کا کتنا حصہ کتنی تندہی اور یکسوئی کے ساتھ وقف کر چکے ہیں اور آئندہ کے لئے کیا منصوبے ہیں۔ لیکن اپنے رب کے کلام کو سمجھنے اور پڑھنے کے لئے کیا ہمارے پاس ایک سال بھی نہیں ہے جبکہ اس پر دائمی زندگی کی کامیابی کا انحصار بھی ہے اور اس زندگی کی حقیقی مسرتیں اور سکون بھی اسی پر منحصر ہیں۔

ہمارے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بہت چونکا دینے والا ہے کہ قیامت کے دن قرآن مجید یا تو ہمارے خلاف حجّت بنے گا یا ہمارے حق میں۔ ایک اور حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اِذن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین بار یا چار بار (یہاں راوی کو شبہ ہے) دوزخیوں کو آگ سے نکال کر لائیں گے اور جنت میں داخل کر دیں گے۔ اس کے بعد آپؐ فرمائیں گے کہ میرے ربّ! اب تو بس وہی لوگ رہ گئے ہیں جنہیں قرآن نے روک رکھا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِن فرامین کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن جن کے خلاف حجّت بنے گا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم رہیں گے اور ہمیشہ کے لئے آگ میں رہیں گے۔ دوسری بات یہ سوچیں کہ قرآن کن کے خلاف حجّت بنے گا اور وہ کون لوگ ہوں گے جن کو قرآن آپؐ کی شفاعت سے محروم کر دے گا؟ آپ کے فرمودات کی روشنی میں اس سوال کا جواب بھی بہت سادہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اس دنیا میں قرآن مجید کے حقوق کو ادا کرنے میں تساہل برتیں گے۔

اس ضمن میں زیادہ بہتر تو یہی ہے کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے کتابچہ "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کا از سر نو مطالعہ کر کے ایک مرتبہ پھر ہم اپنا جائزہ لے لیں کہ قرآن کے حقوق کی ادائیگی میں ہم سے کوئی کوتاہی تو نہیں ہو رہی ہے؟ لیکن میں یہاں اُن حضرات کے لئے جنہوں نے دنیاوی تعلیم کے حصول میں برس ہا برس لگائے ہوں، ایک ایم۔اے نہیں کئی کئی ایم۔اے کئے ہوں یا کم سے کم یہ کہ گریجویشن میں ۱۴ سال کھپائے ہوں، مذکورہ بالا کتابچے کا ایک نکتے کا اختصار کے ساتھ بیان ضروری سمجھتا ہوں۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے بڑی وضاحت سے اس بات کو بیان کیا ہے کہ قرآن کے کلام اللہ ہونے پر ایمان لانے اور اس کی تلاوت کرنے کے بعد قرآن کا تیسرا حق یہ ہے کہ "اسے سمجھا جائے"۔ ظاہر ہے کہ کلام الٰہی نازل ہی اس لئے ہوا ہے اور اس پر ایمان کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ اس کا فہم حاصل کیا جائے۔ سمجھے بغیر صرف تلاوت کرنے کا جواز ایسے لوگوں کے لئے تو ہے جو تعلیم سے محروم رہ گئے۔ ایسے لوگ اگر ٹوٹے پھوٹے طریق پر تلاوت کر لیں تو بھی بہت غنیمت ہے اور اس کا ثواب انہیں ضرور ملے گا۔ لیکن

© rasailojaraid.com

پڑھے لکھے لوگ جنھوں نے تعلیم پر زندگی کا اچھا بھلا عرصہ صرف کر دیا، بہت سے علوم و فنون حاصل کئے اور صرف مادری نہیں بلکہ غیر ملکی زبانیں بھی سیکھیں، اگر قرآن مجید کو بغیر سمجھے پڑھیں تو عین ممکن ہے کہ وہ قرآن کی تحقیر و توہین کے مجرم گردانیں جائیں۔

قرآن حکیم کو سمجھ کر پڑھنے کے کئی درجے ہیں۔ اولین درجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اس کا رواں ترجمہ بھی ذہن نشین ہوتا چلا جائے اور قرآنی آیات میں نصیحت و عظمت کا جو پہلو ہے اسے انسان اخذ کرتا چلا جائے۔ اس درجے کو "تذکر بالقرآن" کہتے ہیں اور یہ ہر انسان کی ضرورت ہے خواہ وہ معاشرہ کے کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "تذکر" کے لئے قرآن کو انتہائی آسان بنادیا ہے اور ایک ہی سورت میں چار مرتبہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "ہم نے آسان بنادیا ہے قرآن کو یاددہانی کے لئے۔ تو ہے کوئی یاددہانی سے فائدہ اٹھانے والا"!!!

لیکن "تذکر بالقرآن" کے لئے عربی زبان کا اتنا علم حاصل کرنا ناگزیر ہے کہ تلاوت کرتے ہوئے متن سے نظر ہٹائے بغیر قاری اس کے مفہوم سے سرسری آگاہی حاصل کرتا چلا جائے۔ اس لئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ عربی زبان کی اس قدر تحصیل ہر پڑھے لکھے مسلمان کے لئے فرض عین کا درجہ رکھتی ہے۔

ایک مسلمان جس نے بی۔ اے، ایم۔ اے پاس کیا ہو۔ غیر ملکی زبان سیکھی ہو۔ ڈاکٹری اور انجینئرنگ کی ہو، وہ اتنی سی بھی عربی نہ سیکھ سکنے پر اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کیا عذر پیش کر سکے گا؟ یہ وہ سوال ہے جس پر ہم سب کو ٹھنڈے دل سے اور پوری سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہئے۔ اور اس اہم موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے جو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے "ایک سالہ تدریسی نصاب" کی شکل میں ہر پڑھے لکھے شخص کے لئے فراہم کیا ہے۔

بقیہ: تعارف کتب

نوازا اور انھوں نے اپنی صلاحیتوں کو ٹھوس اور مثبت کاموں میں صرف کیا، زیر تبصرہ کتاب انہی کا شاہکار ہے جس میں بنیادی نوعیت کے مسائل پر جدید دنیا کے شبہات کا عقلی و منطقی انداز سے ازالہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور ہم نے کئی بار اس کتاب کو پڑھ کر محسوس کیا کہ یہ واقعی ایک اہم چیز ہے۔ بے شک اس کی زبان ذرا مشکل ہے لیکن ایسی بھی نہیں کہ اس سے استفادہ نہ ہو سکے بالخصوص جس طبقہ کے لیے یہ لکھی گئی اس کے لیے اس سے استفادہ مشکل نہیں ——— ایک مدت تک نایاب رہنے والی اس کتاب کو بلوچستان کے ایک دور دراز علاقہ کے ایک ادارہ نے اس کو چھاپ کر احسان کیا ہے۔ اس میں توقع ہے کہ ہمارے جدید تعلیم یافتہ بھائی اس سے بھرپور استفادہ کریں گے۔

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

حکمتِ اقبال (۱۸)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

خُودی اور تخلیق (۵)

مزاحمت کے خلاف خودی کی جدّوجہد

انسان جب اپنے نصب العین کے حصول کے لیے جدّوجہد کرتا ہے تو وہ خدا کی عطا کی ہوئی قوّت کا اظہار کرتا ہے، لیکن یہ قوت فقط ایک ہے اور وہ خدا کے قولِ کُن کی قوّت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے عمل سے خدا کے ارادہ یا قولِ کُن کی قوّت کو جو حرکتِ ارتقاء میں کارفرما ہے زیادہ سے زیادہ بروئے کار آنے کا موقعہ دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قولِ کُن کی ان ممکنات کو جواب اس کی تمنائے حُسن یعنی خدا کی محبّت کی صورت میں اس کی خودی کے اندر آنکلی ہیں ظہور پذیر کرتا ہے۔ اور وہ جس قدر زیادہ خدا کی جستجو کرتا ہے اسی قدر زیادہ اپنی بالقوّہ صلاحیّتوں کو بالفعل آشکار کرتا ہے اور اسی قدر زیادہ وہ ذاتِ باری تعالیٰ کی صفاتِ حُسن کو جو قولِ کن کے اندر مضمر ہیں اپنے اندر ظہور پذیر کرتا ہے، گویا وہ اپنی جدّوجہد سے اگر خدا کی تلاش کرتا ہے تو اپنے آپ کو پاتا ہے اور اگر اپنے آپ کو تلاش کرتا ہے تو خدا کو پاتا ہے۔

تلاشِ اُو کنی جز خود نہ بینی
تلاشِ خود کنی جز اُو نیابی

خودی کی مزاحمت کا منبع

کوشش یا جدّوجہد کا مطلب یہ ہے کہ خودی یا زندگی ہر قدم پر مزاحمت سے دوچار ہوتی ہے

© rasailojaraid.c